بوسنیا کس کا ہے : قوم پرستی کی سیاست ☆

لینارڈ جے کوھن

۱۹۹۷ء کے موسم بہار میں بین الاقوامی برادری نے ۱۹۹۵ء کے معاہدہ ڈیٹن کو پوری قوت سے نافذ کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ اس پالیسی میں ڈیٹن معاہدہ کے تشکیل سازوں اور اس معاہدہ کے حامیوں دونوں نے یہ بات تسلیم کی کہ نیٹو کی قیادت میں مصروف فوجی مشن معاہدہ کے فوجی اور شہری مقاصد کے حصول میں ناکام رہا ہے۔

معاہدہ ہونے کے اٹھارہ ماہ بعد تک بوسنیا کی دونوں اکائیوں یعنی مسلم۔کروٹ فیڈریشن اور سرب جمہوریہ کے رہنما مشترکہ سیاسی، معاشی اور سلامتی کے اداروں کی تشکیل کی جانب برائے نام پیش رفت کر سکے ہیں۔ ۱۸ لاکھ مہاجرین اور بے گھر لوگوں میں سے محض ۳ لاکھ واپس آنے میں کامیاب ہو سکے۔ دونوں اکائیوں میں آزادانہ آمدورفت میں شدید مشکلات حائل رہیں اور جنگی مجرموں میں سے محض چند کو گرفتار کیا جاسکا۔ معاشی تعمیر نو درد ناک حد تک سست روی کا شکار رہی۔ ملک کی تینوں بڑی نسلی برادریوں کی سیاسی قیادت میں ایک دوسرے کے بارے میں شدید بد اعتمادی موجود رہی۔

اگرچہ ستمبر ۱۹۹۶ء میں کثیر الجماعتی انتخابات کامیابی سے منعقد ہوئے، نتائج سے ظاہر ہوا کہ ۱۹۹۰ء کا سیاسی نقشہ برقرار رہا یعنی تینوں قومیتوں کی نمائندہ جماعتیں ہی کامیاب ہوئیں۔ جن شہروں میں کشیدگی زیادہ تھی وہاں انتخابات کے دوران نسلی تقسیم میں اور زیادہ اضافہ ہوا۔ ان شہروں میں موستار اور برچکو کی مثالیں نمایاں ہیں۔

تینوں قوم پرست جماعتوں کی اشرافیہ کے خیالات ایک دوسرے سے قطعی مختلف تھے۔ مسلمان طبقہ اشرافیہ کے نزدیک اس معاہدہ کے مطابق بوسنیا ایک مرکزی حکومت کا حامل مضبوط بوسنیا ہوگا، جس میں تمام نسلی گروہ ایک اجتماعی احساس کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔ اس خیال سے جنگ کے خاتمے کے لیے ڈیٹن معاہدہ میں دو اکائیوں کی بنیاد پر نیا بوسنیا

☆Lenard J. Cohen, "Whose Bosnia? The Politics of Nation Building", *Current History*, March 1998, PP. 103-112 (تلخیص: محمد الیاس انصاری)

تشکیل دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت دونوں اکائیوں کو علیحدہ مملکت کے طور پر جاننے یا مرکزی حکومت کی قیمت پر ان اکائیوں میں قوت کو مضبوط کرنے کی کسی کوشش کو غیر آئینی تصور کرتی ہے۔ دوسری جانب سربوں کے طبقہ اشرافیہ اور طبقہ شہریاں کی اکثریت بوسنیا کو غیر قانونی اور مصنوعی تخلیق قرار دیتی ہے۔ سرب قیادت تو کہتی ہے کہ سرب جمہوریہ کو پہلے ہی نیم آزاد درجہ حاصل ہے (سرب جمہوریہ کی اکائی کی سرحدیں کسی بھی ریاستی سرحد کے مترادف ہیں)، یا پھر اسے کم از کم عبوری دور کی ریاست کی حیثیت حاصل ہے جو فی الوقت باضابطہ ریاست تو نہیں مگر عملاً اس کی بوسنیا سے علیحدگی عمل میں آئے گی اور سربیا اور مونٹی نیگرو (بقیہ یوگوسلاویہ) سے الحاق کی شکل اختیار کرے گی۔ مگر یہ عمل سردست معطل ہے۔

سرب قیادت کا ہدف اس اکائی کی ''حاکمیت اعلیٰ'' کو محفوظ اور وسیع کرنا تھا۔ ان کے خیال میں مسلمان اور ان کے بین الاقوامی حمایتی غیر محسوس طریقے سے ڈیٹن معاہدہ میں چپکے چپکے من مانی تبدیلیاں کرتے ہوئے ملک کے مرکزی حکام کی طاقت میں اضافہ کر رہے تھے۔

اسی اثناء میں بوسنیائی کروٹ جنہیں اس معاہدہ کی رو سے مسلمانوں کے ساتھ جوڑا گیا ہے، مسلمانوں اور کروٹوں کی یکجائی کے سختی سے مخالف تھے، کیونکہ قبل ازیں ان کی ہم نسل آبادی کا بیشتر علاقہ ان کے زغرب کے معاونین کے زیر کنٹرول تھا، مگر اب اکائی کو ملنے والے اختیارات کے باعث اختیارات کا جھکاؤ مسلمانوں کی طرف ہو گیا ہے۔ لہٰذا کروٹوں کا زور اور اصرار اس بات پر رہا کہ مرکزی حکومت کے بجائے اکائی (مسلم-کروٹ فیڈریشن) میں انہیں برابری کی بنیاد پر نمائندگی اور حقوق دیئے جائیں۔ کروٹوں کی جانب سے اس بات پر اصرار تھا کہ تینوں نسلی گروہوں کو باہم رہتے ہوئے برابر اختیارات دے دیئے جائیں۔

جولائی ۱۹۹۷ء میں امریکی اطلاعاتی ایجنسی کی جانب سے بوسنیا میں کروائے گئے مطالعاتی جائزوں کے نتائج سے پتہ چلتا ہے کہ ۸۳ فیصد مسلم جواب دہندگان کے مطابق تینوں بڑی قومیتیں پرامن طریقے سے باہم مل جل کر رہ سکتی ہیں مگر ۸۱ فیصد کروٹ اور ۹۵ فیصد سرب جواب دہندگان کے خیال میں ملک کی تقسیم ناگزیر ہے۔

۱۹۹۶ء کے امریکہ کے صدارتی انتخابات کے موقع پر معاہدہ ڈیٹن سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی، مگر ۱۹۹۷ء کے اوائل میں ہی یہ بات عیاں ہونے لگی کہ امریکہ اور بین الاقوامی برادری کی بلقان میں بھاری بھر کم موجودگی مشکل پیدا کرے گی۔ واشنگٹن میں حکام کو بوسنیا سے وسط ۱۹۹۸ء میں امریکی افواج کی واپسی سے زیادہ تشویش اس بات پر تھی کہ ڈیٹن معاہدہ مکمل طور پر بے اثر ہو جائے گا۔

نئی امریکی وزیر خارجہ نے بوسنیا میں کامیابی اور نیٹو میں وسعت کی حکمت عملی کو باہم مربوط کرتے ہوئے بوسنیا کو نیٹو کی ساکھ اور صلاحیت کے امتحان کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا۔ پھر پورے جنوب مشرقی یورپ اور بحیرہ روم سے ملحق خطے کے مجموعی استحکام کے لیے بھی بوسنیا اہم تھا۔ یوں محسوس ہونے لگا کہ نیٹو اس علاقے (بوسنیا) سے اپنی دلچسپی ختم کر ہی نہیں سکتی۔ مگر سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس معاہدہ کو امریکی عالمی اور اخلاقی کامیاب قیادت کی جانب سے مسلط کردہ مثال کے طور پر دیکھا جارہا تھا۔ اہم بات یہ ہے کہ بوسنیا مشن میں امریکہ کا جانی نقصان نہیں ہوا اور یہ لاگت کی نسبت زیادہ سود مند بھی تھا۔

مئی ۱۹۹۷ء میں پرتگال کے شہر سنتارا (Sintara) میں امن اطلاقی کونسل کی راہنما کمیٹی (Steering Committee) کے اجلاس میں جامد فیصلوں پر عمل درآمد کے لیے محدود حتمی وقت طے کیا گیا جس میں نئے سفیروں کی تقرری، جنگی مجرموں کی حوالگی، شہریت کے قوانین، جائیداد کے قوانین میں اصلاح، پولیس کی تنظیم نو جیسے امور شامل تھے۔ تینوں گروہوں کی قیادت کی جانب سے ان امور پر پیش رفت نہ ہونے کے صورت میں مذکورہ کونسل کی جانب سے فیصلے مسلط کرنے کا بھی فیصلہ کر دیا گیا۔ اور جو بھی سیاسی قوت مانع ہوتی اس کو بیرونی امداد سے محروم کیا جانا تھا۔

دوران جنگ اور بعد از جنگ سرب سیاسی قیادت کا امن مذاکرات میں بین الاقوامی برادری کے ساتھ رویہ سرکشی پر مبنی رہا ہے۔ ۱۹۹۶ء کے موسم گرما میں ڈیٹن معاہدہ کے خالق امریکی سفارتکار رچرڈ ہالبروک نے جنگی مجرم اور سرب راہنما رادووان کراچ کو سیاسی امور سے کنارہ کشی پر آمادہ کیا تھا مگر رادووان سرب جمہوریہ کے سیاسی معاملات پس پردہ بیٹھ کر چلاتا رہا۔ سرب جمہوریہ میں زمام کار سوشلسٹ زمانہ کی بائیالوجی کی خاتون پروفیسر پلاوشچ کے ہاتھ آگئی۔ پلاوشچ نے ۱۹۹۰ء میں سرب جمہوری پارٹی (SDS) میں شمولیت اختیار کی اور سرب قوم پرستی اور پرلے درجے کی مسلم دشمنی کے باعث مشہور ہوگئی۔ ستمبر ۱۹۹۶ء کے انتخابات میں پلاوشچ SDS کی جانب سے سرب جمہوریہ کے لیے صدارتی انتخابات میں کامیاب ہوگئی۔ رادووان کی جانب سے سیاسی امور میں مداخلت اور پلاوشچ کے ذاتی اختیارات کو کمزور کرنے کی کوششیں پلاوشچ کے غم وغصہ میں اضافہ کا باعث بنیں۔ جون ۱۹۹۷ء کے اواخر میں رادووان کے وفاداروں نے پلاوشچ کو اغواء کرنے کی کوشش کی مگر SFOR نے اغوا کی کوشش کو ناکام بنادیا۔ چند روز بعد چونکا دینے والے واقعات رونما ہوئے۔ پلاوشچ نے اعلانیہ، رادووان اور اس کے قریبی اتحادی موم چیلو کرائسک پر بدعنوانی کا الزام لگایا۔ اپنے سیاسی مخالفین کے

اختیار اور رسوخ کو توڑنے کے لیے پلاوشچ نے سرب جمہوریہ کے وزیر داخلہ کو فارغ کر دیا اور بعد ازاں اسمبلی ہی ختم کر دی۔ اب دو مختلف اور متضاد رجحانات کی حامل سرب قیادت کے مابین رسہ کشی شروع ہوتے ہی الزام تراشی کا سلسلہ ہو گیا۔ پلاوشچ نے بین الاقوامی امداد کے حصول کے لیے معاہدہ ڈیٹن کی حمایت جاری رکھی اور امریکہ کو خوش کرنے کے لیے کراچج مخالف مہم جاری رکھی۔ تاہم ایک ہی پارٹی میں ہونے کے ناطے رادووان کراچج اور اس کے حمائتیوں سے علیحدگی کا معاملہ ذاتی طور پر مشکل اور سیاسی طور پر پُر خطر ہونے کا پلاوشچ کو احساس تھا مگر اس کے باوجود پلاوشچ نے جوا کھیلا اور مغربی ممالک بالخصوص امریکہ کی حمایت حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ کیونکہ بین الاقوامی برادری کو ایسے سرب راہنما کی ضرورت تھی جو ان سے تعاون کرے۔

اگست میں کلنٹن انتظامیہ نے ڈیٹن معاہدہ کے خالق رچرڈ ہالبروک کو بوسنیائی حکام پر اپنے ملک کے سفیروں کی تعیناتی کے لیے دباؤ ڈالنے کی غرض سے بھیجا اگرچہ ہالبروک نے اپنے مشن کو کامیاب قرار دیا تاہم اسے خود یہ اندازہ تھا کہ ڈیٹن معاہدہ کے کتنے ہی پہلو ہیں جن پر ابھی کام ہونا باقی ہے اور یہ کہ بوسنیا کے سیاسی رہنماؤں میں کس قدر شدید اختلافات موجود ہیں۔ ہالبروک کو یہ بھی پتہ تھا کہ مہاجرین کی واپسی اور بے گھر لوگوں کی آبادکاری کے سلسلہ میں بہت ہی کم پیش رفت ہوئی ہے۔

بوسنیائی سرب قیادت کے مابین اقتدار کی رسہ کشی نے بوسنیا کی دونوں مخالف اکائیوں کے درمیان حائل خلیج میں اضافہ کر دیا۔ دوسری طرف کروشیائی صدر فرانیو توجمان کے مسلم دشمن خدبات اور بوسنیا کی تقسیم کی خواہش کے باعث مسلم کروٹ تعلقات میں بھی سرد مہری تھی۔

اسی دوران بوسنیائی صدر عالیجاہ عزت بیگوویچ اور مسلمان سیاسی جماعت نیز فوجی تنظیم کے انتہا پسند ارکان ڈیٹن معاہدہ کے اندر اپنے سیاسی مفادات کو خطرہ میں محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ فیڈریشن میں اپنے کروٹ اتحادیوں کے سیاسی عزائم کے بارے میں متشکک تھے۔

بہر حال مسلمان بوسنیا کے سب سے بڑے نسلی گروہ سے تعلق رکھتے تھے اور جنگ میں سب سے زیادہ متاثر بھی یہی ہوئے تھے۔ لہذا وہ بوسنیا کے شکستہ سیاسی ڈھانچے میں اپنی قومیت کو مضبوط بنانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔

مسلمان - کروٹ دشمنی کو گھٹانے کے لیے امریکہ نے دو متنازعہ امور یعنی کروٹ دفاعی

کونسل اور غالب مسلم آرمی آف بوسنیا کو فیڈریشن کے نئے ڈھانچے میں سمونے اور موستار میں دونوں گروہوں کے تعلقات پر توجہ مرکوز کردی۔

بوسنیا میں فوجی توازن برقرار رکھنے کے معاملے کو ڈیٹن معاہدہ سے منسلک کردیا گیا تھا اس غرض سے علاقائی اسلحہ کنٹرول کے تحت نومبر ۱۹۹۷ء تک سرب جمہوریہ کی فوج اور فیڈریشن کی فوج کے ۶۷۰۰ بھاری ہتھیار تلف کئے گئے جبکہ امریکہ کے زیرانتظام مسلم۔ کروٹ افواج کے لیے ''تربیت اور مسلح'' پروگرام زیرعمل لایا گیا۔

۱۹۹۶ء میں امریکہ نے کامیابی سے بوسنیائی صدر عالیجاہ عزت بیگووچ پر اثر ڈالا کہ وہ فیڈریش کی افواج کے لیے اسلحہ حاصل کرنے سے قبل اپنے قریبی دوست اور انتہا پسند وزیر دفاع حسن چنگیزچ کو وزارت سے فارغ کریں۔ اس ضمن میں کروشیا اور امریکہ دونوں کا موقف یہ تھا کہ حسن چنگیزچ بوسنیائی افواج میں مسلم تشخص کو ابھارنے اور بوسنیائی حکومت کے ایران کے ساتھ قریبی تعلقات کا باعث تھا۔ مگر حسن کے جبری استعفیٰ کے باوجود اس کے مضبوط سیاسی دھڑے کے اثرورسوخ کا خاتمہ نہ ہوا۔ ۱۹۹۷ء کے پورے سال میں ایرانی ایجنٹ بوسنیا کی سراغرسانی کے محکمہ میں نہایت قریبی تعاون کرتے رہے ایران نواز اس دھڑے نے بوسنیا کے اسلامی تشخص کے تحفظ اور فوجی وسائل کے ذخیرے (جس کی ادائیگی امیر اسلامی ملکوں نے اور فراہمی امریکہ نے کی تھی) پر کنٹرول پانے کی سرگرمیوں میں مشغول رہا۔ مسلمانوں کی سیاسی اور فوجی ادارے میں اس اسلام نواز سرگرمی کو بوسنیائی کروٹوں نے اپنی بے عزتی تصور کیا، لہذا ۱۹۹۷ کے دوران مشترکہ مسلم۔کروٹ فوجی ڈھانچہ قائم کیا گیا اور نئے عسکری تربیتی سکولوں میں مشترکہ مسلم۔کروٹ آفیسرز کو یکجا کیا گیا مگر اس کے باوجود نسلی دوریاں قائم رہیں۔

زغرب کے حکام اور ان کے بوسنیائی کروٹ اتحادی بھی ایک مضبوط سیاسی اکائی کی راہ میں رکاوٹ کے برابر کے ذمہ دار ہیں۔ پھر بوسنیائی کروٹوں کی جنگجوئی کو معتدل کرنے میں فرانیو توجمان کا مجموعی کردار اور ریکارڈ مایوس کن رہا ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۹۷ء کے اوائل میں توجمان نے بوسنیا کے شہر موستار کے اس پولیس آفیسر کو اعزاز دیا جس نے کچھ ہی عرصہ قبل ایک مسلمان کو ہلاک اور دیگر ۲۰ کو اس وقت زخمی کردیا تھا جب وہ موستار کے کروٹ آبادی والے علاقے میں قبرستان میں اپنے عزیزوں کی قبریں دیکھنے گئے تھے۔ ہلاکت کے اس واقعہ کے بعد موستار سے متعدد مسلمان خاندانوں کو بے گھر کردیا گیا اور یہ سلسلہ اس وقت رکا جب SFOR کے فوجیوں نے مداخلت کی۔

۱۹۹۷ء کے موسم خزاں میں جب امریکہ نے کروشیا پر دباؤ ڈالا کہ وہ بوسنیائی کروٹوں کو ڈیٹن معاہدہ پر عمل درآمد کے لیے مجبور کرے وگرنہ اس کی فوجی امداد، عالمی بنک اور آئی ایم ایف کے قرضے معطل کر دیئے جائیں گے۔ تب توجمان نے اپنی سخت گیر پالیسی میں کچھ لچک پیدا کی۔ ستمبر میں توجمان نے بوسنیائی کروٹوں کو حکم دیا کہ وہ OSCE (یورپی تنظیم برائے سلامتی و تعاون) کی زیر نگرانی ہونیوالے بلدیاتی انتخابات کا بائیکاٹ ختم کر دیں۔ پھر ایک ماہ بعد امریکہ کا دباؤ توجمان نے قبول کرتے ہوئے ۱۰ بوسنیائی کروٹ جنگی مجرموں کو جنگی جرائم کے ٹریبونل کے سپرد کرنے کی اجازت دے دی۔ عارضی طور پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ کروٹوں کی جانب سے ڈیٹن معاہدہ کی مخالفت میں قدرے نرمی آگئی ہے۔

ڈیٹن قیام امن سمجھوتہ کی غایت یہ تھی کہ بوسنیا میں کثیر الجماعتی سیاسی نظام قائم ہو اور غیر قوم پرست رہنما منتخب ہوں۔ ستمبر ۱۹۹۶ء کے انتخابات اس ضمن میں نہایت اہمیت کے حامل تھے مگر زیادہ بہتر نتائج اگلے برس کے موسم خزاں میں سامنے آئے۔ ستمبر ۱۹۹۷ء میں OSCE کے تحت بوسنیا کی ۱۳۶ بلدیات میں ۵ ہزار نمائندے منتخب ہوئے یہ نمائندے ۹۷ جماعتوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ آزاد صحافت اور دونوں اکائیوں کے مابین آزادانہ نقل و حرکت میں رکاوٹ نے انتخابات کی جمہوری روح کو متاثر کیا پھر بے گھر اور مہاجر ووٹر بھی ووٹ نہ ڈال سکے۔

۱۹۹۰ء سے اقتدار پر گرفت اور اپنے تنظیمی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے تینوں قوم پرست پارٹیاں پورے ملک میں کونسل کی نشستوں میں سے دو تہائی نشستیں جیتنے میں کامیاب ہوگئیں۔ تاہم غیر قوم پرست جماعتیں جو کسی خاص نسلی گروہ کے حقوق کی نمائندہ نہ تھیں، نے بوسنیا میں محض ۶ فیصد نشستیں حاصل کیں (مسلم۔کروٹ فیڈریشن میں تقریباً ۱۲ فیصد جبکہ سرب جمہوریہ میں صرف ۲ فیصد) غیر قوم پرست جماعتوں نے صرف ایک بلدیہ (تزلا میں جو پہلے ہی کثیر نسلی اور جمہوری اقدار کا حامل تھا) میں اکثریت حاصل کی۔

یہ نتائج ظاہر کرتے ہیں کہ اپنے علاقوں سے نکالے گئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اپنے گھروں کو واپس لوٹنا چاہتی ہے۔ تاہم یہ بات غیر واضح تھی کہ بے گھر اور مہاجر ووٹروں کے نمائندگان بلدیاتی امور میں آزادانہ شرکت بھی کر سکیں گے یا نہیں۔

دو ماہ بعد نومبر ۱۹۹۷ء میں پارلیمانی انتخابات منعقد ہوئے۔ سرب جمہوریہ کی قومی اسمبلی نے کچھ پیش رفت کی اور SDS کے انتہا پسندوں کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ ووٹنگ میں سرب جمہوریہ کے ۷۰ فیصد ووٹروں نے ووٹ ڈالا۔ نتائج جب سامنے آئے تو وہ حیران کن

تھے یعنی کراجچ کے حامیوں کو اسمبلی کی ۸۳ میں سے ۲۴ نشستیں حاصل ہوئیں پلاوشچ کی SNS نے صرف ۱۵ نشستیں جیتیں تاہم سرب انقلابی پارٹی نے ۶ کے بجائے ۱۵ نشستیں حاصل کیں یوں SRS-SDS کا اتحاد کل مل کر ۳۹ ارکان پر مشتمل تھا جو مطلوبہ تعداد سے ۳ کی تعداد میں کم تھا۔

۱۹۹۸ء کے اوائل میں بھی سرب جماعتوں کے مابین رسہ کشی جاری رہی۔ اس دوران معتدل رہنما اور سوشل ڈیموکریٹ میلوراد دودائیک بطور وزیر اعظم سرب جمہوریہ منتخب ہوگیا۔ ادھر سرب جمہوریہ کے طبقہ اشرافیہ سے انتہا پسند خارج ہونے لگے تھے تو دوسری جانب یوگوسلاوی صدر سلوبودان ملاشوچ کے ساتھ اچھے تعلقات کا دودائیک نے فائدہ اٹھایا نیز سرب جمہوریہ کے لیے بین الاقوامی امداد حاصل کرنے میں بھی کامیابی حاصل کرلی۔

۱۹۹۷ء کے آخری چند مہینوں میں بوسنیا کی وزارت خارجہ، ان عناصر کو جو ڈیٹن مخالف متصور ہوتے تھے، پیچھے ہٹانے میں کامیاب ہوگئی۔ خصوصی توجہ سرب انتہا پسندوں کو ذرائع ابلاغ سے ہٹانے پر مرکوز کی گئی۔ اکتوبر میں SFOR کی افواج نے سرب ریڈیو، ٹی وی (SRT) پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد بوسنیائی سربوں کے چار ٹی وی ٹرانسمیٹر زبند کردیے۔ اس ریڈیو اور ٹی وی سے SFOR کو قابض نازی افواج اور ہیگ ٹربیونل کو سربوں پر دباؤ ڈالنے کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے پراپیگنڈا کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں جنگی جرائم ٹربیونل کے پراسیکیوٹر لوئس آربر کی سرب جنگی مجرموں کے بارے میں پریس کانفرنس کو توڑ مروڑ کر پیش کیا تھا۔ SRT کو بعد ازاں بین الاقوامی برادری سے تعاون کرنیوالی بلاوشچ کے تحت کردیا گیا اور ساتھ ہی ''غیر ملکی ماہرین'' بھی بھیج دیئے گئے۔ SFOR نے کراجچ نواز ایک اور مسروقہ ٹی وی ٹرانسمیٹر بھی بند کردیا اس صورت حال پر اکثر سرب اور بعض غیر ملکی مبصرین نے یہ سوال اٹھایا کہ کیا ڈیٹن مخالف ہونا بری بات ہے اور یہ کہ کیا بوسنیا واقعتاً امریکہ کی تحویل میں نہیں چلا گیا ہے؟

امریکہ اور نیٹو کی بوسنیا میں مصروفیات پر بحث مباحثہ جاری تھا کہ کلنٹن انتظامیہ نے کہہ دیا کہ امریکی افواج بوسنیا میں وسط ۱۹۹۸ء کے بعد بھی رہیں گی۔ بعد ازاں کلنٹن انتظامیہ کو یہ پریشانی لاحق ہوگئی کہ اگر SFOR کی افواج نکل گئیں تو امریکی زمینی افواج کس طرح بوسنیا میں رہیں گی اور نیٹو کے بوسنیا میں مشن کا کنٹرول امریکی افواج تنہا کیسے چلائیں گی۔ دوسری جانب کلنٹن انتظامیہ میں خارجہ پالیسی پر بیشتر معاونین نے یورپی استحکام، نیٹو اور امریکی ساکھ کو باہم منسلک کرنے پر زور دیے رکھا اور جواز یہ دیا کہ بوسنیا میں زمینی افواج نے پہل کی تھی۔ اور اسے

برقرار رکھنا بھی ضروری ہے۔

تین موضوعات ایسے ہیں جن پر توجہ مرکوز ہوگی یعنی مہاجرین اور بے گھروں کی اپنے علاقوں کو واپسی، جنگی مجرموں کی گرفتاری اور اقتصادی تعمیر نو۔ ان موضوعات پر اقدامات کیے جانے کا معاملہ بجائے خود ایک سوال ہے۔ یہ کہنا قطعاً مشکل ہے کہ کتنے مہاجرین اور بے گھر لوگ اپنے گھروں کو واپس لوٹ سکیں گے۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد سے مختلف نسلی پس منظر سے تعلق رکھنے والے بوسنیائی مہاجرین کی ایک بڑی تعداد پورے علاقے میں ہر جگہ یا بیرون ملک جنوب مشرقی یورپ میں بس گئی ہے اب شاید واپس پلٹنے کی خواہاں نہ ہو (ان کے نقصانات کی تلافی کی صورت میں معاملہ مختلف ہو سکتا ہے)، تاہم اگر مہاجرین پلٹ بھی آئیں تو ان کی آباد کاری ایک طویل اور مشکل ترین مرحلہ ہوگا۔

جہاں تک مجرموں کی گرفتار کا مرحلہ ہے تو جتنے بڑے مجرم کو پکڑا جائیگا اتنا ہی استحکام کے بجائے عدم استحکام پیدا ہوگا۔ تاہم اس کا امکان غالب ہے کہ بڑی شخصیات کے مقدمات کو طول دیا جائیگا لیکن بات کچھ بھی ہو یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ نیٹو کی جانب سے جنگی ٹربیونل کو معاونت کی فراہمی بوسنیا کو پرامن سیاسی تبدیلیوں سے ہمکنار کرے گی یا نہیں۔ لہذا بین النسلی مصالحت میں انصاف کی فراہمی اس صورت میں خطرے میں پڑ جائے گی جو ڈیٹن معاہدہ کی اصل روح ہے۔ بین الاقوامی مبصرین کے نزدیک رادووان کی گرفتاری مشکل معاملہ ہوگی۔

معاشی یا اقصادی حالی یا تعمیر نو کے معاملہ میں پہلے ہی قابلِ قدر پیش رفت ہو چکی ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق بین الاقوامی ایجنسیوں نے دو برسوں میں ۲ ارب ڈالر سے زائد کی سرمایہ کاری کی ہے جس کے نتیجے میں ۱۹۹۶ء میں اندازاً ۵۰ فیصد جبکہ ۱۹۹۷ء میں قریباً ۳۵ فیصد بوسنیائی معیشت میں ترقی ہوئی۔ سرائیوو میں اس سرمایہ کاری کے بعد بڑی تبدیلی آئی، نئی دکانیں کھلیں، ہوٹل بہتر بنے اور پر ہجوم کیفے شہر میں عام ہیں۔

یہ تو تصویر کا ایک رخ تھا دوسرا رخ یہ ہے کہ آبادی کا ایک بڑا حصہ، بالخصوص سرائیوو کے باہر، بے روزگاری کا شکار ہے۔ فیڈریشن میں یہ شرح ۵۰ فیصد جبکہ سرب جمہوریہ میں ۹۰ فیصد ہے۔ بے روزگار لوگ معاش کے لیے نجی باغات میں کام کاج کرتے ہیں یا پھر بین الاقوامی رفاعی اداروں یا بیرون ملک عزیز و اقارب کی جانب سے بھیجی جانے والی رقوم پر گزارہ کرتے ہیں۔ پھر نجی نظام کو قائم کرنا بھی یہاں مشکل کام رہا ہے، جس کی وجہ سے بیرونی سرمایہ کاروں کی دلچسپی بھی نہیں ہے۔ مزید برآں معاشی ترقی دوبارہ شروع ہوئی ہے مگر صنعتی پیداوار قبل از جنگ کے زمانے کے مقابلے میں اب بھی برائے نام ہے۔ ایک اضافی مشکل یہ ہے کہ کمیونسٹ

دور کے اقتصادی ڈھانچہ کو آزاد منڈی میں ڈھالنا عذاب سے کم نہیں۔ تبدیلیوں کے مسائل اور جنگی زمانے کا معاشی ورثہ ایسے اسباب ہیں جن کی بناء پر بدعنوانی میں اضافہ ہوا ہے اور منظم جرائم کو فروغ ملا ہے۔ لہٰذا دونوں اکائیوں میں تعمیر نو کے کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔

تکلیف دہ پہلوؤں سے ایک بڑا پہلو دونوں اکائیوں کی معاشی ترقی میں بڑھتا ہوا تفاوت ہے۔ سربوں کی ڈیٹن معاہدہ سے عدم رغبتی کے سبب معاشی امداد کا غالب ترین حصہ فیڈریشن کو چلا جاتا ہے لہٰذا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سرب جمہوریہ کو جنگ، بارودی سرنگوں اور زرعی تباہی کا اتنا سامنا نہیں رہا جتنا کہ فیڈریشن کو کرنا پڑا تھا مگر اب تیزی سے اسے اقتصادی زوال کا سامنا ہے۔ زرعی فارم اور فیکٹریاں بے کار پڑی ہیں اور بعض کا خیال تو یہ ہے کہ جنگ کے بعد معیشت سکڑ کر رہ گئی ہے۔ نتیجتاً ملک کو دوبارہ مستحکم کرنے کی کوششوں میں یہ معاشی خلاء خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس ساری صورتِ حال کا مثبت پہلو یہ ہے کہ مطالعاتی جائزوں سے پتہ چلتا ہے کہ بوسنیا کے تمام نسلی گروہوں میں بین الصوبائی یا دونوں اکائیوں کے مابین تجارت کو بڑھانے کے حوالے سے قابلِ قدر ہمدردانہ جذبہ پایا جاتا ہے۔

نیٹو بمقابلہ قوم پرستی

اکثر کہا جاتا ہے کی بوسنیا کی تقسیم کی بہت ہی کم ضرورت ہے کیونکہ یہ تقسیم پہلے ہی سے عملاً موجود ہے اور اس بات میں بھی بہت کم ہی شبہ ہے کہ ملک میں تقسیم نہایت گہری ہے اور مرکزی حکومت کو پوری آبادی کے صرف ایک حصہ کی وفاداری حاصل ہے۔ تاہم ڈیٹن معاہدہ کو لاگو کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر بین الاقوامی سرمایہ کاری اور خصوصاً امریکہ کی جانب سے بوسنیا کی سلامتی کی ضمانت کے معاہدے کے حوالوں سے ۱۹۹۶ء اور ۱۹۹۷ء میں عارضی طور پر ہونے والی پیش رفت نے ملک کی بقاء کے امکانات کو قدرے بڑھایا ہے۔ OHR کے ڈپٹی جیکوئس کلین کے بقول ''بوسنیا کی مثال ایک شدید مریض کی حالت کی مانند ہے جسے خون لگ رہا ہے جونہی اس مریض کو خون ملنا بند ہوا تو یہ مریض مر جائے گا۔''

بوسنیا کے اس مرض کی نزاکت کی بڑی وجہ کروشیا اور سربیا کے طبقہ اشرافیہ اور سیاسی قیادت کا وہ رویہ ہے جو ڈیٹن معاہدے پر بادل نخواستہ دستخط کرنے کے باعث جاری ہے۔ ان رہنماؤں کے رویوں کا عملی اظہار بوسنیا کے متعدد نسلی گروہوں کے انداز سے بھی ہوتا ہے۔ یہ خیال اور نظریہ کہ ۱۹۹۲ء سے پہلے بوسنیا ''امن و آشتی کا نخلستان'' تھا اور یہ پھر سابقہ کیفیت کو پلٹ جائیگا کیونکہ ''شیطان جنگی رہنماؤں'' نے میڈیا کو بین النسلی دشمنی کے لیے استعمال کیا

تھا۔ اب ایسے رہنماؤں کو منظر عام سے ہٹایا جا رہا ہے، بالکل اسی طرح کھوکھلا نظریہ ہے جس طرح سے بوسنیا میں ''قدیم نفرتوں'' کو جنگ کا سبب بیان کیا جاتا ہے۔ اگرچہ کچھ پہلوؤں سے مثبت تبدیلیاں ضرور آئی ہیں مگر متحدہ بوسنیا کی بنیاد یعنی مصالحت میں ابھی تک کمی ہے۔

بین النسلی مفاہمت میں پیدا شدہ دقت کو محض سربوں کے کٹڑپن کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ۱۹۹۷ء کے دوران میں مسلم تعلیمی افسران نے مسلمان اور کروٹ بچوں کے لیے علیحدہ تعلیمی منصوبہ تجویز کیا تھا جسے بیرونی دباؤ پر منسوخ کرنا پڑا۔ سرائیوو جو آج ۸۷ فیصد مسلمان آبادی والا شہر ہے جنگ سے پہلے یہاں سربوں کی آبادی قریباً ۳۰ فیصد تھی۔ اب شہر کی مقامی حکومت نے اکثر سربوں کی سرائیوو واپسی کو روک رکھا ہے۔

مسلمان طبقہ اشرافیہ جو ڈیٹن معاہدہ کا بڑا حامی تصور کیا جاتا ہے وہ بین الاقوامی برادری کی جانب سے بوسنیا میں کثیر النسلی تشخص کو قوم پرستی پر غالب لانے کی کوشش میں حارج ہے۔ مثلاً ستمبر ۱۹۹۷ء میں بوسنیائی صدر عالیجاہ عزت بیگووچ نے حکمران SDA پارٹی کی دوسری کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''تصادم سے پاک اور قومی بوسنیا کی جانب واپسی کا راستہ باقی نہیں رہا۔ بوسنیاک (مسلمان) لوگ خود اس حقیقت سے آشنا ہو چکے ہیں کہ وہ اپنی شناخت بطور بوسنیاک ایک قوم اور اسلام کو اس کے روحانی جزو کے طور پر کبھی ترک نہیں کرینگے۔ لہذا اپنے اس قومی تشخص کو پرامن اور ناقابل تغیر مقدر کے طور پر سامنے رکھنے کی توقع رکھنی چاہیے۔''

بوسنیا کے اندر اور باہر، بیشتر کروٹ اور سرب، عزت بیگووچ کو بوسنیا میں مسلم غلبہ کے حصول میں مشغول شخص کے طور پر جانتے ہوئے نفرت کرتے ہیں۔

یہ بات قابل غور ہے کہ ۱۹۹۷ء کے اوائل اور ۱۹۹۸ء کے اواخر میں مسلمانوں کے سیاسی کردار پر شدید حملے سربوں سے زیادہ کروٹوں نے کئے۔ کروشیائی صدر نے دسمبر ۱۹۹۷ء میں زور دے کر کہا تھا کہ ''کروٹوں کا ہرزیگووینا تاریخی اعتبار سے کروٹوں کے قومی نیوکلیس کا حصہ رہا ہے ... مانا کہ ہم کروٹ - مسلم فیڈریشن پر راضی ہوئے مگر صرف اور صرف اس شرط پر کہ کروشیا کے ساتھ (ان کروٹوں کے) تعلقات قائم رہیں گے کیونکہ دوسری صورت میں کروٹ اقلیت کو اسلامی رنگ میں رنگ لئے جانے کا ڈر ہے''۔

یوں کروٹ رہنماؤں نے بوسنیا میں مضبوط مرکزی حکومت کے معاملے میں غیر مصالحانہ کردار جاری رکھا تو دوسری جانب عالیجاہ اکائیوں، کینٹوں اور بلدیات کے اختیارات میں اضافے کی راہ میں مزاحم رہے۔ اگرچہ عزت بیگووچ اور فرانیو توجمان مستقبل قریب میں

سیاسی منظر سے غائب ہو جائینگے مگر ان کے نظریات ان کے ہم نسل سیاسی راہنماؤں میں بھی مشترک ہیں اور وہ بھی ایسے ہی جذبات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

کلنٹن کے کرسمس ۱۹۹۷ء کے دورہ بوسنیا کے بعد بوسنیائی صدارتی کونسل کے کروٹ نمائندے کریسی میر زوباک نے کہا کہ اسے یقین ہے کہ مسلمان بوسنیا میں غلبہ کی کوشش کر رہے ہیں لہذا اب وہ فیڈریشن میں ہمارے 'غیر تسلی فش ساتھی'' بن چکے ہیں۔ ''مسئلہ یہ ہے کہ بوسنیاک بطور قوم غیر مسلم ہیں اور شاید اگلے پچاس برسوں میں بھی قوم نہ بن سکیں''۔ زوباک کا کہنا ہے کہ ''اپنے آپ کو قوم کے طور پر تیار کرنے کے بعد مسلمان بوسنیا میں اپنے آپ کو خصوصی حقوق کا حقدار سمجھتے ہیں۔''

۱۹۹۸ء کے پہلے ماہ میں بوسنیا میں مصروف کار بین الاقوامی برادری کے افسران نے بانیالوکا میں ''حقیقت پسند'' سربوں کے ساتھ دونوں اکائیوں اور بین النسلی معاملات پر تعلقات کار بہتر بنانے کے لیے نئی کوششوں کا آغاز کیا۔ توقع ہے کہ جلد ہی مزید پیش رفت بھی ہو گی۔

جب ایک انٹرویو میں پلاوشچ سے سوال کیا گیا کہ کیا اسے یقین ہے کہ ایک کثیر النسلی بوسنیا کی تخلیق کے امکانات موجود ہیں، اس پر پلاوشچ نے غور و فکر کے بعد جواباً کہا کہ ''کیا یہ ممکن ہے؟ میرا نہیں خیال کہ یہ ممکن ہو۔ کیونکہ ڈیٹن معاہدہ کے تحت اس قسم کی کسی چیز کا کوئی امکان نہیں۔ ڈیٹن معاہدہ کے مطابق بوسنیا ایک ریاست ہے مگر ہمیں نہیں معلوم کہ یہ کس قسم کی ریاست ہے۔ یعنی یہ ریاستوں کا اتحاد ہے یا کوئی جمہوریہ ... میں تو صرف یہی کہہ سکتی ہوں کہ ڈیٹن معاہدہ ایک ایسا بنیادی ڈھانچہ ہے جسے کوئی ایک ترک نہیں کر سکتا''۔

پلاوشچ کا یہ محتاط تبصرہ بلاشبہ متعدد عوامل کی بنیاد پر ہے۔ ان عوامل میں پلاوشچ کے اپنے سیاسی نظریات بھی شامل ہیں جو ڈیٹن معاہدہ کے بارے میں ابہام، کسی بھی ریاست کا نمونہ نہ ہونا اور بوسنیا کے مستقبل کے بارے میں عمومی بے یقینی کے باعث پائے جاتے ہیں۔

اس وقت امریکہ اور بین الاقوامی برادری نے بوسنیا کو ٹھیکے پر زندگی عطا کی ہے، تشدد میں وقفہ اور مستقبل کے بارے میں ایک سکیم دی ہے تاہم بوسنیا کی طویل المدت بقاء ڈیٹن معاہدہ کے اندر آج بھی بہت زیادہ غیر یقینی ہے۔

[نوٹ: یہ مضمون ۱۹۹۸ء کے اوائل کا تحریر کردہ ہے۔ اب صورتِ حال بہت زیادہ بدل چکی ہے بالخصوص ستمبر ۱۹۹۸ء کے انتخابات سے نقشہ بدل چکا ہے۔ پلاوشچ سرب جمہوریہ میں بری طرح ناکام ہو چکی ہیں اور انتہا پسند قوم پرست ریاستی انتخاب جیت چکے ہیں۔ ایڈیٹر]

چین میں مسلم احیاء کی نئی لہر☆

رافیل اِسرائیلی

۱۹۸۰ء کی دہائی کے اختتام پر عوامی جمہوریہ چین میں مسلمانوں کی بے چینی کے حوالے سے رپورٹیں ملتی رہیں۔ یہ سب عین اس وقت ہوا جبکہ ڈینگ ژیاؤ پینگ کی قیادت میں چین اقلیتوں کے حوالے سے اپنی پالیسی نرم کر رہا تھا۔ ذیل کے واقعات یکے بعد دیگرے رونما ہوئے۔

۱- مئی ۱۹۸۹ء میں تیان مین چوک کے سانحے سے ایک مہینہ قبل مسلمانوں کے خلاف ایک دل آزار کتاب کی اشاعت پر مسلمانوں نے زبردست مظاہرے کئے۔ لیکن یہ مظاہرے بہت کم توجہ حاصل کر پائے۔

۲- ۱۹۹۰ کے موسم بہار میں ''آزاد مشرقی ترکستان تحریک'' کو کچلنے کی کارروائی میں ۲۲۳ افراد مارے گئے۔

۳- ۱۹۹۲ء میں ''یونان'' نامی علاقے کی مسلم قومیت کے خلاف کارروائی کی گئی جو کہ ۸۲ دن جاری رہی۔

۴- ۱۹۹۳ء میں سنکیانگ میں تشدد بھڑک اُٹھا۔

درج بالا واقعات کے حوالے سے کئی سولات پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً کیا ان واقعات کا آپس میں کوئی ربط ہے؟ کیا یہ واقعات مقامی مسائل کا نتیجہ تھے یا پھر ان شورشوں کی طرح تھے جو وقتاً فوقتاً چین میں برپا ہوتی رہیں؟ کیا یہ واقعات مسلمانوں کی نئی شناخت کا اظہار ہیں یا بعض معاشرتی، معاشی اور ثقافتی اختلافات کا شاخسانہ؟ کیا یہ واقعات کمیونسٹ چین کی اقلیتی پالیسی کی ناکامی کا نتیجہ ہیں یا اِن سے مسلمانوں کے اس عزم کا اظہار ہو رہا ہے جو وہ چین کی روایتی ''تقسیم کرو حکومت کرو'' کی پالیسی کے خلاف وسیع تر اتحاد کے قیام کے لئے کرتے ہیں؟

☆Raphael Israeli, "A New Wave of Muslim Revivalism in China", *Journal of Muslim Minority Affairs*, Vol.17, No.2, 1997, PP. 269-282
(تلخیص: ڈاکٹر فخر الاسلام)

آخری سوال یہ کہ کیا چینی مسلمانوں کی ان بغاوتوں کو عالمی سطح پر لسانی بیداری کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے اور یہ کہ اس عالمی رجحان کا چین کے مسلمان پر اثر کس حد تک ہے ؟

اُنیسویں صدی کے اواخر میں شمال مغربی اور جنوب مغربی چین کو مسلمانوں کی بے چینی نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ مسلمانوں کا مقصد ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام تھا۔ اِس دور کے واقعات پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ یہاں انقلاب چین کے ابتدائی سالوں کے واقعات کا حوالہ بے جا نہ ہوگا جن کے نتیجے میں کئی بغاوتوں نے سر اُٹھالیا اور جنہیں ساٹھ کی دہائی میں ''ثقافتی انقلاب'' کے نام پر بے دردی سے کچل دیا گیا۔ ان میں سے ایک واقعہ علاقہ یونان کے ضلع شادیان میں رونما ہوا۔ واضح رہے کہ شادیان کو چینی مسلمانوں کی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ علاقہ جنوبی ایشیا کی تجارتی شاہرہ پر واقع تھا جس میں اسلامی تعلیمات کے کئی مراکز قائم تھے۔ یہ شادیان ہی تھا جہاں سب سے پہلے قرآن پاک کا چینی زبان میں ترجمہ کرایا گیا۔ اس خطے نے انیسویں صدی کے وسط میں مسلم بغاوت میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ دووینژیو (Du Wenxiu) کی قیادت میں اس بغاوت کا مقصد مغربی یونان میں ''ڈالی'' کے علاقے کے اردگرد ایک مسلم ریاست کا قیام تھا۔

ثقافتی انقلاب کے دوران چونکہ ہر قسم کی مذہبی رسومات پر پابندی تھی اس لئے شادیان کے مسلمانوں نے اس پابندی کا احترام کرتے ہوئے مساجد کو تالے لگادیے۔ تاہم وہ خفیہ طور پر اپنے گھروں میں نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے رہے۔ اس کے علاوہ وہ علماء سے قرآن پاک بھی سیکھتے رہے۔ بائیں بازو کے عناصر ان مسلمانوں کی قدامت پرستی پر تنقید کرتے ہوئے انہیں سُور کا گوشت کھانے پر مجبور کرتے رہے۔ ۱۹۷۵ء میں یہ نازیبا حرکت کی گئی کہ مسلمان آبادی کے کنوؤں میں سُور کی ہڈیاں پھینک کر ان کے پانی کو آلودہ کیا گیا۔ اس حرکت کے نتیجے میں جو تشدد بھڑک اٹھا، اس کو کچلنے کے لیے چینی افواج نے جولائی کے مہینے میں قتل عام کرتے ہوئے پورے گاؤں کو مسمار کردیا۔ یہ احتجاج قریبی دیہاتوں تک پھیل گیا۔ ایک ہفتے کی کارروائی کے نتیجے میں ۱۶۰۰ ''ہوئی'' مسلمانوں کو قتل کرکے ۴۴۰۰ مکانات کو زمین بوس کردیا گیا۔ اس فوج کشی میں نہ صرف ہلکے بھاری اسلحے کا استعمال ہوا بلکہ ہوائی جہازوں سے بھی بم برسائے گئے۔ اس سانحے کی مکمل روداد اس خطے کے مسلمان رہنما ''ماشاؤمی'' (Ma Shao Mei) نے قلمبند کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

''اگست کی پہلی اور دوسری تاریخ کو جنجی (Jinji) اور شاؤن فانگ (Shaun Fang) نامی دیہات پر قبضے کے لیے جنگ جاری رہی۔ ایک طرف جدید اسلحہ و ساز و سامان سے لیس

سرکاری افواج تھیں جبکہ دوسری طرف مذہبی جذبے سے سرشار مسلمان۔ ایک جانب اعلیٰ تربیت یافتہ فوجی تھے اور دوسری جانب عام شہری۔ بھلا ان دو غیر مساوی قوتوں کے درمیان کیا مقابلہ ہو سکتا تھا؟ دونوں گاؤں کے عوام کو ایسی کوئی قوت میسر نہ تھی جس سے وہ گولوں اور اندھادھند فائرنگ کا مقابلہ کرتے۔ تین اگست کو فوج نے جنجی گاؤں پر قبضہ کر لیا جس کے ساتھ ہی دست بدست لڑائی، خودکار اسلحہ کی فائرنگ اور قتل عام نے شدت اختیار کر لی۔ مفتوحہ جگہوں پر فوج نے سفاکانہ سلوک شروع کیا۔ فوج نے زخمی اور اپاہج مسلمانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہاتھ پاؤں سے باندھ لیا اور ان کی اکثریت کو موقع پر ہلاک کر دیا گیا۔ ۴ اگست کو ۱۵۷ ''ہوئی'' بچوں، بوڑھوں اور خواتین نے ہتھیار ڈال دیے۔ وہ اپنی گردنیں اوپر اُٹھا کر قرآن کی تلاوت کرتے رہے۔ جوں ہی یہ لوگ دھان کے کھیتوں کے قریب متعین فوج دستوں کے قریب آئے تو ان پر خودکار ہتھیاروں سے گولیاں برسائی گئیں اور پلک جھپکتے ہی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے اور دھان کے کھیت میں کھڑا پانی ان کے خون سے سُرخ ہو گیا۔ اس کے بعد سپاہیوں نے لاشوں کا جائزہ لیا اور جن میں زندگی کی ذرا سی رمق بھی باقی تھی انہیں زخمی حالت میں گولیوں سے بھون ڈالا۔ ۱۵۷ افراد میں سے صرف چار زندہ بچے۔ شام ۶ بجے بقیہ مکانات کو طاقتور بموں سے اڑا دیا گیا۔ مابوہوا (Ma Bo Hua) اور ان کے ساتھی بہادری سے لڑتے ہوئے قتل ہوئے۔ شام ڈھلتے ہی قتل عام اختتام کو پہنچا''۔

بعد میں حکمرانوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اُنہوں نے جانی و مالی نقصان کی تلافی اور خطہ شادیان کے باشندوں کی بحالی کا فیصلہ کر لیا۔ ۱۹۸۷ء کی ایک دستاویز میں قرار پایا کہ شادیان کے مسلمان انقلاب مخالف نہیں تھے اور ان واقعات میں ملوث مسلمانوں کو معاف کر دیا گیا۔ مذکورہ دستاویز میں کہا گیا کہ پرانے ریکارڈ کی درج ذیل طریقوں سے تصحیح کی جائے:

الف- گزشتہ دستاویزات میں مسلمانوں کی تنظیم حزب اللہ کو غیر قانونی اور خفیہ قرار دیا گیا تھا۔ اس تنظیم کا قیام ثقافتی انقلاب کے ناموافق حالات میں عمل میں لایا گیا تھا اس لئے اس کو غیر قانونی قرار دینا صحیح نہیں تھا۔

ب- علاقے کے مسلمانوں پر مادر وطن سے غداری کا جرم عائد کرنا درست نہیں تھا۔

ج- یہ درست ہے کہ علاقے کے باشندوں نے املاک کو لوٹا اور تباہ کیا لیکن شادیان کے مخصوص حالات کے پس منظر میں انہیں معاف کرنا چاہیے۔

بحالی اور عام معافی کے اقدامات کے باوجود علاقے میں انقلابی جذبات ابھی تک پائے جاتے ہیں۔ اس کے دو ثبوت بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں (i) ''مادر وطن'' سے نفرت اور

(ii) حزب اللہ کا وجود۔

عوامی جمہوریہ چین میں مسلم احیاء کی تازہ لہر

ذیل میں ان چار شورشوں کا ذکر کیا جارہا ہے جو ۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۳ء کے عرصے میں چین کے مختلف مسلم علاقوں میں برپا ہوئیں :-

۱- ''چینی سلمان رشدی'' کے خلاف مظاہرے ۱۹۸۹

تیان مین چوک کے خونین واقعہ سے ایک مہینہ قبل مئی ۱۹۸۹ء میں چین کے مسلمان ایک غیر اہم مصنف (نام نہیں دیا گیا) کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے اس مصنف نے ''جنسی روایات'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں مسلمان کے عقائد کی توہین آمیز منظر کشی کی گئی تھی۔ رد عمل کے طور پر دار لحکومت بیجنگ اور دیگر شہروں میں زبردست مظاہرے ہوئے۔ بیجنگ کے مظاہرے کے لئے حکومت سے باقاعدہ اجازت حاصل کی گئی۔ مظاہرین نے جن کی تعداد تین ہزار سے زیادہ تھی شہر کے وسط میں بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کے دفاتر کے سامنے مارچ کیا۔ جلوس ''اکسن سٹریٹ (Oxen Street) کے علاقے سے بھی گزرا، جہاں بیجنگ کے سب سے زیادہ یعنی ۲ لاکھ مسلمان رہائش پذیر ہیں۔ اس مظاہرے میں جو نعرے لگائے گئے وہ یہ تھے :

آئین کی پاسداری کرو- چین میں مذہبی آزادی کا احترام کرو- چینی سلمان رشدی مردہ باد اور اسلام کا مجاہدانہ نعرہ ''اللہ اکبر''۔ ایک اور خاص بات جلوس میں شامل افراد کا اسلامی لباس پہننا تھا۔ مرد شرکاء نے مخصوص اسلامی لباس اور خواتین نے حجاب زیب تن کر رکھا تھا یہ لباس عام طور پر چین کے قدامت پرست علاقوں میں پہنا جاتا ہے۔

بیجنگ کے علاوہ لانژو (Lanz Hou) میں بیس ہزار افراد نے جلوس نکالا۔ ژننگ (Xin-ing) میں ایک لاکھ افراد نے مارچ کیا، جبکہ اُرومقی، شنگھائی، اندرونی منگولیا، ووھان اور یونان میں مظاہرے ہوئے۔

اِن مظاہروں کے بارے میں چند حقائق نوٹ کرنے کے قابل ہیں مثلاً یہ کہ ایک ہی مسئلے پر پورے چین میں یہ احتجاج وہاں کے مسلمانوں کی قوت کا اظہار تھا۔ دوسرا یہ کہ حکومت نے مسلمانوں کے مطالبات کو درخور اعتنا سمجھتے ہوئے نہ صرف یہ کہ توہین آمیز کتاب پر پابندی لگادی بلکہ ایڈیٹروں اور پبلشروں کو سزائیں بھی دی گئیں۔ چینی حکومت نے اس حقیقت کے باوجود کہ مظاہرین نے امن وامان میں خلل ڈالا اور املاک کو نقصان پہنچایا، نرمی